خلافت

از ڈاکٹر محمد احسان اللہ خاں صاحب

زیرِ نظر مقالے میں مسئلہ خلافت پر جدید انداز سے روشنی ڈالی گئی ہے ۔ مقالہ نگار مشہور سائنٹسٹ ہیں اور تاریخی حالات اور واقعات کو سائنسی تجربے پر ہی پرکھتے ہیں ۔ فاضل مقالہ نگار نے مسئلہ کا جس ڈھنگ سے تجزیہ کیا ہے اُس کی تفصیلات سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے ۔ تاہم مضمون مختصر ہونے کے باوجود جامع بھی ہے اور دلچسپ بھی ۔ توقع ہے قارئینِ برہان مضمون کی اصل روح کو سمجھنے کی کوشش کریں گے ۔

(ع)

خلیفہ کے لغوی معنی پیچھے رہ جانے والا جانشین ، وارث اور اولاد کے ہیں ۔ اصطلاحی معنی جانشین اور نائب کے لئے جاتے ہیں ۔ خدا نے جب فرشتوں سے فرمایا : وَاِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَۃِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً (میں زمین پر خلیفہ بنانیوالا ہوں) تو فرشتوں نے یقینی طور سے دونوں معنی سمجھے کیونکہ اُن سے پہلے جو خلیفہ تھے ۔ انھوں نے زمین پر اپنی پوری ذمہ داری ادا نہیں کی تھی اور ناحق خون بہایا تھا ۔ فرشتوں نے اس نئے خلیفہ کے بارے میں بھی یہی سمجھا ۔ مگر جب ان کو معلوم ہوا کہ یہ خلیفہ زیادہ صلاحیتوں کا مالک ہوگا ۔ (فلمّا انبأھم باسمائھم) تو ان کی یہ غلط فہمی دور ہوگئی ۔ اس واضح ثبوت کے باوجود زیادہ تر لوگ خلیفہ کے معنی محض نائب کے لیتے ہیں ۔ صرف چند لوگ آدم علیہ السلام کو

جن کا جانشین مانتے ہیں جو اسرائیلی علوم کے نفوذ کا نتیجہ ہے۔ قرآن میں اس کا کہیں بھی اشارہ نہیں ملتا ہے۔ بلکہ اس کے برعکس خلیفہ کے معنی جانشین کے آتے ہیں۔ اس میں ایک زوال پذیر قوم کی جگہ ایک ترقی پسند قوم کو خلافت دیے جانے کا تذکرہ آتا ہے۔

(۱)۔ ثم جعلناکم خلائف فی الارض من بعدھم لننظر کیف تعملون
(۱۴ک یونس سورہ ۱۰)

(۲)۔ وجعلناھم خلائف واغرقنا الذین کذبوا بآیاتنا (۷۳ک یونس سورہ ۱۰)

(۳)۔ واذکروا اذ جعلکم خلفاء من بعد قوم نوح (۶۹ک الاعراف سورہ ۷)

انسانی وجود سے پہلے زمین کی آب و ہوا یعنی موسم سرما و گرما وغیرہ میں بہت کم اختلاف تھا۔ اور اس کے نتیجہ میں زندگی کے مسائل بھی پیچیدہ نہیں تھے۔ لہٰذا انسان سے کمتر مخلوق زمین پر خلافت کر سکتی تھی۔ مثال کے طور پر کسی ترقی یافتہ ملک کا ایک کم صلاحیت کا آدمی ایک غیر ترقی یافتہ ملک میں سفیر کا حق ادا کر سکتا ہے۔ اور وہاں پر اپنے ملک کی نیابت بہت اطمینان سے انجام دے سکتا ہے۔ مگر ایک ترقی یافتہ ملک میں زیادہ صلاحیت کا ہی آدمی سفیر ہو سکتا ہے۔ تاکہ وہاں پر اطمینان سے اپنے ملک کی نیابت کر سکے۔ لیکن ایک ایسا ملک جو ترقی کی راہ پر گامزن ہو وہاں پر کسی سفیر کو زیادہ دنوں تک رکھنا اچھا نہیں ہوگا۔ بلکہ اس ملک کی ترقی کے ساتھ ساتھ سفارت کے جانشین کو بدلنا پڑیگا۔ تاکہ جس ملک کا سفیر ہے اس کی صحیح نیابت ہو سکے۔ اس سے پہلے (برہان اگست ۱۹۶۳ء) یہ تذکرہ آچکا ہے۔ کہ جب حضرت انسان Homo Sapiens نے تمام دوسری انواع Species کو مات دیدی۔ تو اس وقت بھی ان کا میدان عمل محدود نہ ہوا۔ بلکہ آپس میں ہی سبقت لے جانے کی جدوجہد شروع ہوگئی۔ ان میں وہ گروہ یا قوم خلافت کی مستحق ہوئی جس نے زمانہ سے بلند ہو کر علمی،

فوجی اور تہذیبی میدان میں نئی نئی ایجادات کیں ۔ انھوں نے ان پر حکومت کی جو اپنے قدیم سنہرے دور پر فخر کرتے رہے اور اس کی ہر چیز سے چمٹے رہے ۔

علمی ، فوجی اور تہذیبی میدان میں انقلاب برپا کرنے کا ایک فطری تدریجی اصول ہوتا ہے ۔ جو ہمیشہ ہر انقلاب کے برپا ہونے سے پہلے اختیار کیا جاتا رہا ہے اور ہمیشہ ایسا ہوتا رہے گا ۔ وہ اصول یہ ہے کہ جب کوئی تہذیب عروج پر ہوتی ہے ۔ تو اس کی تمام خرابیاں اجاگر ہو جاتی ہیں ۔ اور اس وقت اسکی اصلاح کے لئے ایک نیا فلسفہ یا نظریہ ابھرنا شروع ہو جاتا ہے ۔ دھیرے دھیرے نیا فلسفہ اپنا مقام حاصل کرنے لگتا ہے ۔ اور زیادہ لوگ اس کو قبول کرنے لگتے ہیں ۔ جیسے جیسے نئے فلسفہ کی مقبولیت بڑھتی ہے حکومتِ وقت اُسے کچلنے کی کوشش کرتی ہے اگر نیا فلسفہ زیادہ جاندار ہوتا ہے اور اسے اس دور کے بہترین طرزِ بیان میں پیش کیا جاتا ہے تو اس کو زیادہ اچھے کردار کے لوگ قبول کرتے ہیں ۔ ۔۔۔ ت وقت اپنی تمام تر کوشش کے باوجود اُسے دبا نہیں سکتی ۔ اس کا نتیجہ بالآخر یہ ہوتا ہے کہ حکومت ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں چلی جاتی ہے جو نئے فلسفہ کے پیرو ہوتے ہیں ۔ حکومت کی پوری مشنری نئے فلسفہ کی روشنی میں مرتب ہوتی ہے ۔ اور ایک نئی تہذیب جنم لیتی ہے ۔

اگر ہم تاریخ عالم پر نظر ڈالیں تو مذکورہ بالا اصول کی حقانیت واضح ہو جاتی ہے یوروپ میں جب جاگیرداری اور شہنشاہیت پر مبنی تہذیب اپنے عروج پر پہنچی تو اس کی اصلاح کے لئے روسو وغیرہ نے جمہوریت کا فلسفہ پیش کیا ۔ یہ کچھ ہی دِنوں میں اس قدر طاقتور ہو گیا کہ اس نے سب سے پہلے فرانس میں نظامِ کہن کو بیخ و بُن سے اکھاڑ پھینکا ۔ جمہوریت ، آزادی اور مساوات پر مبنی اس نظریہ نے یوروپ اور شمالی امریکہ پر اپنے گہرے اثرات ڈالے ۔ اور وہاں کے نظامِ حکومت کو یکسر

ہی بدل دیا۔ غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ایشیا و افریقہ بھی بالآخر اس سے متاثر ہوئے اور انہوں نے نوآبادیاتی نظام کا جوا اپنے کندھوں سے اتار پھینکا۔

ٹھیک اسی طرح ہم یہ دیکھتے ہیں کہ جمہوریت پر مبنی بورژوا نظام جب تیز رفتار صنعتی ترقی کا ساتھ نہ دے سکا۔ اور اس نے معاشی و سماجی عدم مساوات کو انتہا پر پہنچا دیا تو اینجلز، مارکس وغیرہ نے ایک اور فلسفہ کو جنم دیا جسے ہم آج سوشلزم یا کمیونزم کے نام سے جانتے ہیں۔ اس فلسفہ نے تاریخِ عالم کا رُخ کس طرح موڑا اس پر زیادہ زور دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ آج اشتراکی ملکوں میں ایک نئی تہذیب کا دور دورہ ہے جس کی بنیادی اقدار سرمایہ دارانہ جمہوری نظام کی اقدار سے بڑی حد تک مختلف ہیں۔ نہ ہی یہ لکھنے کی ضرورت ہے کہ یہ نظریہ بھی اپنی ابتدائی شکل میں کس قدر فرسودہ ہو چکا ہے۔ اور اشتراکی ممالک میں اس سے انحراف کا رجحان اب ڈھکا چھپا نہیں ہے۔

اس طرح یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ انقلاب لانے کے لئے پہلے قابلِ قبول نظریہ ہونا چاہیئے۔ دوسرے اُسے زمانہ کے مقبول ترین طرز میں پیش کیا جانا چاہیئے یہی نہیں بلکہ خلافت بدلنے کے لیے یہ دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ اور دونوں میں سے کسی ایک پر زور دینا اور دوسرے کو قطعی طور پر نظر انداز کرنا ناکامی کو دعوت دینے کے مترادف ہے جو احیائی تحریکوں کی عام خصوصیت ہے۔

قدیم زمانہ میں جب تبلیغ و اشاعت کے ذرائع بہت محدود ہونے کے ساتھ ساتھ نئے فلسفہ کی اشاعت پر کڑی پابندی ہوتی تھی تو نئے فلسفہ کا قدیم فلسفہ پر غلبہ میدانِ جنگ کے فیصلہ پر مبنی ہوتا تھا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ یونانی فلسفہ کی مقبولیت سکندرِ اعظم کی فتوحات کے بعد ہوئی اور اسلام کا پھیلاؤ مسلم سپہ سالاروں کی جنگی فتوحات کے ساتھ ساتھ ہوا۔ ماضی قریب میں کمیونزم کی توسیع بھی سرخ فوج

کی پیش رفت کے ساتھ ساتھ ہوئی۔

مگر کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک قوم نظریاتی حیثیت سے زیادہ مضبوط نہ ہو لیکن فوجی حیثیت سے زیادہ طاقتور تو وہ زیادہ دِنوں تک اپنی فوجی برتری کی بنا پر اپنا نظریہ نہیں منوا سکتی ہے۔ نازی ازم اور فاشزم کا حشر ہماری آنکھوں کے سامنے ہے فوجی طاقت کو برقرار رکھنے کے لئے مضبوط نظریہ کو اپنانا پڑتا ہے۔ اگر ہم تاریخ پر نظر ڈالیں تو دیکھتے ہیں کہ منگول یا مغل جنہیں عام طور سے تاتاری کہا جاتا ہے وہ ایک آندھی کی طرح وسطی اور مغربی ایشیا پر چھا گئے۔ انہوں نے بغداد کی اسلامی سلطنت کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ تاتاریوں نے مسلمان کو شکست ضرور دیدی لیکن انہیں جلد ہی اس کا احساس ہوگیا کہ اپنی فوجی برتری کو برقرار رکھنے کے لئے زمانہ و علاقہ کے بہترین نظریہ کو اختیار کئے بغیر چارہ نہیں ہے۔ لہٰذا انہوں نے اسلام کو لبیک کہا۔

موجودہ زمانے میں جانشینی کی طرح جسمانی کے بجائے زیادہ تر ذہنی ہوگئی ہے اور قوموں کی قسمت کا فیصلہ اب بڑی حد تک میدانِ جنگ کے بجائے جمہوری ایوانوں میں ہوتا ہے۔ موجودہ دور میں حقیقی جنگ الیکشن میں لڑی جاتی ہے۔ اور اسمیں کامیابی پر حکومت کی باگ دوڑ کسی نظریاتی گروہ کے ہاتھ میں آسکتی ہے۔ لیکن جس طرح تاریخ کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ میدانِ جنگ میں فتحیابی اور کامیابی اُسی کو نصیب ہوئی جو جدید آلاتِ حرب سے مسلح تھا۔ اسی طرح الیکشن میں کامیابی جدید تکنک کے اختیار کرنے پر ہی مبنی ہوتی ہے۔ پھر حکومت کی پوری مشنری بدلی جاسکتی ہے۔ اور اس تبدیلی سے ایک نیا طریقِ عمل وجود میں آسکتا ہے۔ اور نئی تہذیب جنم پاسکتی ہے۔ اِس کے پھلنے پھولنے کے مواقع نئے جانشین فراہم کرسکتے ہیں۔